ساحر لدھیانوی

اصل نام عبدالحئی نیز چودھری عبدالحئی تھا۔ ساحرؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کے والد کا نام چودھری فضل محمد تھا۔ یہ لودھوال کے جاگیردار تھے۔ ساحرؔ کی والدہ کا نام سردار بیگم تھا۔ یہ فضل محمد کی گیارھویں بیوی تھیں۔ ان سے پہلے کسی بھی بیگم سے اولاد نرینہ نہ تھی۔ سردار بیگم کی بطن سے ساحرؔ، بزرگوں کی دعا درگاہ صابر کلیری اور خانقاہوں میں منت وسماجت کے نتیجے میں 8 مارچ 1921ء کو پیدا ہوئے۔

ساحرؔ کی ابتدائی تعلیم مولانا فیاض ہریانوی کی تربیت میں ہوئی اور ان سے فارسی سیکھی۔ پنجابی تو مادری زبان تھی۔ اردو اور انگریزی پر دسترس حاصل تھی۔ 1937ء میں میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد انھوں نے گورنمنٹ کالج لدھیانہ میں داخلہ لیا۔ ان کے مضامین میں فلسفہ اور فارسی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

ساحرؔ کی نظمیں 1940ء سے ہفتہ وار 'افغان' (بمبئی)، ہفتہ وار، کیرتی لہر، (میرٹھ) میں شائع ہونے لگیں۔ اب ساحرؔ اپنی والدہ کے ساتھ لاہور آگئے تھے اور دیال سنگھ کالج میں داخلہ لیا۔ اسی کالج سے انہوں نے عوامی زندگی کا مشاہدہ کیا اور یہ شعور مسلسل چلا پاتا رہا۔ دیال سنگھ کالج سے نکل کر ساحرؔ نے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ لیکن 1943ء میں یہ سلسلہ بھی موقوف ہوگیا۔

ساحرؔ نے رسالہ 'ادب لطیف' کی ادارت کی 1945ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی پانچویں کل ہند کانفرنس میں ساحرؔ نے شرکت کی اور ایک مقالہ جدید انقلابی شاعری پر پڑھا۔ جس کی بہت زیادہ پذیرائی ہوئی۔ ساحرؔ رسالہ 'سویرا' اور 'شاہراہ' سے بھی وابستہ ہوئے اور پھر ان کا تعلق فلموں سے ہوگیا جس کے بعد وہ ممتاز گیت کار ثابت ہوئے۔ ساحرؔ کا آخری پڑاؤ فلم انڈسٹری ہی تھا۔ ساحرؔ کے کلام کا مجموعہ 'تلخیاں' (1940ء)، 'پرچھائیاں' (1951ء)، 'آؤ کہ کوئی خواب بنیں' (1971ء) اور 'گاتا جائے بنجارہ' وغیرہ ہیں۔

ساحرؔ ترقی پسند شاعر ہیں ان کی شاعری میں زندگی کی تلخ سچائیاں ہیں۔ دوسروں کی طرح وہ مزدوروں کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری متوسط طبقے کے عام تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طرف ہے۔ بقول خلیل الرحمٰن اعظمی: 'ان کے طرز میں نہ تو جدید اشاریت اور موہوم کیفیات کی عکاسی ہے اور نہ ہی کھردرا پن۔ اس میں ایک وضاحت، بے ساختگی اور شیرینی ہے جو براہ راست عام نوجوانوں کو متاثر کرتی ہے'۔ 25/اکتوبر 1980ء کو ساحرؔ کا انتقال ہوگیا۔

پرچھائیاں

جوان رات کے سینے میں دودھیا آنچل
مچل رہا ہے کسی خواب مرمریں کی طرح
حسین پھول، حسیں پتّیاں، حسیں شاخیں
لچک رہی ہیں کسی جسم نازنیں کی طرح
فضا میں گھل سے گئے ہیں افق کے نرم خطوط
زمیں حسین ہے خوابوں کی سرزمیں کی طرح
تصوّرات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں
کبھی گمان کی صورت، کبھی یقیں کی طرح
وہ پیڑ جن کے تلے ہم پناہ لیتے ہیں
کھڑے ہیں آج بھی ساکت کسی امیں کی طرح

انھیں کے سایے میں پھر آج دو دھڑکتے دل
خموش ہونٹوں سے کچھ کہنے سننے آئے ہیں
نہ جانے کتنی کشاکش سے کتنی کاوش سے
یہ سوتے جاگتے لمحے چُرا کے لائے ہیں

ہمارا پیار حوادث کی تاب لا نہ سکا
مگر انھیں تو مرادوں کی رات مل جائے
ہمیں تو کشمکشِ مرگِ بے اماں ہی ملی
انھیں تو جھومتی گاتی حیات مل جائے

بہت دنوں سے ہے یہ مشغلہ سیاست کا
کہ جب جوان ہوں بچے تو قتل ہو جائیں
بہت دنوں سے ہے یہ خبط حکمرانوں کو
کہ دور دور کے ملکوں میں قحط ہو جائیں

بہت دنوں سے جوانی کے خواب ویراں ہیں
بہت دنوں سے محبت پناہ ڈھونڈتی ہے
بہت دنوں سے ستم دیدہ شاہراہوں میں
نگارِ زیست کی عصمت پناہ ڈھونڈتی ہے

چلو کہ آج سبھی پائمال روحوں سے
کہیں کہ اپنے ہر اک زخم کو زباں کر لیں
ہمارا راز، ہمارا نہیں سبھی کا ہے
چلو کہ سارے زمانے کو رازداں کر لیں

چلو کہ چل کے سیاسی مقامروں سے کہیں
کہ ہم کو جنگ و جدل کے چلن سے نفرت ہے
جسے لہو کے سوا کوئی رنگ راس نہ آئے
ہمیں حیات کے اُس پیرہن سے نفرت ہے

کہو کہ اب کوئی قاتل اگر ادھر آیا
تو ہر قدم پہ زمیں تنگ ہوتی جائے گی

ہر ایک موجِ ہوا رخ بدل کے جھپٹے گی
ہر ایک شاخ رگِ سنگ ہوتی جائے گی

اٹھو کہ آج ہر اک جنگجو سے یہ کہہ دیں
کہ ہم کو کام کی خاطر کلوں کی حاجت ہے
ہمیں کسی کی زمیں چھیننے کا شوق نہیں
ہمیں تو اپنی زمیں پر ہلوں کی حاجت ہے

کہو کہ اب کوئی تاجر ادھر کا رخ نہ کرے
اب اس جگہ کوئی کنواری نہ بیچی جائے گی
یہ کھیت جاگ پڑے اٹھ کھڑی ہوئیں فصلیں
اب اس جگہ کوئی کیاری نہ بیچی جائے گی

یہ سرزمین ہے گوتم کی اور نانک کی
اس ارضِ پاک پہ وحشی نہ چل سکیں گے کبھی
ہمارا خون امانت ہے نسلِ نو کے لیے
ہمارے خون پہ لشکر نہ پل سکیں گے کبھی

کہو کہ آج بھی ہم سب اگر خموش رہے
تو اس دمکتے ہوئے خاکداں کی خیر نہیں
جنوں کی ڈھالی ہوئی ایٹمی بلاؤں سے
زمیں کی خیر نہیں، آسماں کی خیر نہیں

گزشتہ جنگ میں گھر ہی جلے، مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں
گزشتہ جنگ میں پیکر جلے، مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ پرچھائیاں بھی جل جائیں

تصوّرات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں

الفاظ و معنی

دہقاں	۔	کاشت کار، کسان
افلاس	۔	غریبی، تنگ دستی
خلوت	۔	تنہائی، گوشہ نشینی، خواب گاہ
جلوت	۔	باہر، سب کے سامنے
عریاں	۔	ننگا، برہنہ
محاذ	۔	لڑائی کی جگہ، مقابل، سامنے
الم	۔	رنج، غم، دکھ
فراست	۔	دانائی، تیز فہمی
گام	۔	راستہ، منزل
مرگ	۔	موت، اجل
پیرہن	۔	پوشاک
افق	۔	آسمان کا کنارہ
تصورات	۔	خیالات، دھیان
ساکت	۔	ٹھہرا ہوا، جامد
کاوش	۔	کوشش
مسرت	۔	خوشی

خشک	-	سوکھا
عجز وکرم	-	انکساری و مہربانی
جزیرہ	-	ٹاپو، خشکی کا وہ حصہ جس کے چاروں طرف پانی ہو
صدائیں	-	آوازیں
طنابیں	-	خیمے کی رسی
خراشیں	-	چھیلن، رگڑ
قبائیں	-	لباس، ایک قسم کا لمبا کوٹ جو آگے سے کھلا ہوتا ہے

آپ نے پڑھا

- شاعر نے اس نظم میں اپنی یادوں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ انسان کی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز یعنی اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ ایک فرد متعدد خانوں میں منقسم رہتا ہے۔ اس کی ذاتی زندگی محبت، سماجی ذمہ داری، بڑھتے ہوئے مسائل، بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور تہذیب و تمدن میں فطری طور پر وہ آنے والے تغیرات کے درمیان کبھی ایک تماشائی بن جاتی ہے اور کبھی ان تمام عوامل کے لیے آلۂ کار بننا پڑتا ہے۔
- شاعر نے ابتدائے شعور سے لے کر عمر کی بڑھتی ہوئی منزلوں کی، نجی اور خارجی مسائل و حالات کی شاعرانہ عکاسی کی ہے۔

آپ بتائیے

1. شاعر نے اپنی نظم کا عنوان 'پرچھائیاں' کیوں رکھا ہے؟
2. نظم 'پرچھائیاں' میں کن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے؟
3. 'تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں'

   مندرجہ بالا مصرع کی وضاحت کیجیے۔
4. جوان رات کے سینے پہ دودھیا آنچل   مچل رہا ہے کسی خواب مرمریں کی طرح

   درج بالا شعر کی تشریح کیجیے۔

مختصر گفتگو

1. ساحر کا اصل نام کیا ہے؟

2. ساحر کا سنہ پیدائش کیا ہے؟

3. شاعر کے ذہن میں کس کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں؟

4. ساحر کے دو شعری مجموعے کا نام لکھیے۔

5. ساحر پہلے پہل کس رسالے کے اڈیٹر ہوئے؟

6. ساحر کا انتقال کب ہوا؟

تفصیلی گفتگو

1. نظم 'پرچھائیاں' کا مرکزی خیال لکھیے۔

2. نظم کی تعریف کیجیے اور اس کی قسمیں بتایئے۔

3. نظم کے آخری بند میں شاعر نے کیا کہا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

4. مندرجہ بالا الفاظ کے جملے بنایئے۔

تصورات، پرچھائیاں، فضا، اداسی، تمنا، تجارت، خط

5. واحد سے جمع اور جمع سے واحد بنایئے۔

قوم، افواج، اقسام، تجار، فرد، فقیر، آراء، مساکین

آیئے، کچھ کریں

1. ساحر لدھیانوی کی شاعری سے متعلق دس جملے لکھیے۔

2. نصاب میں شامل نظم کے دو بند یاد کیجیے۔

زبیر رضوی

پورا نام سید زبیر احمد رضوی اور والد کا نام سید محمد رضوی ہے۔ زبیر رضوی 1936ء میں امروہہ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ زبیر رضوی کی ابتدائی تعلیم امروہہ اور حیدرآباد میں ہوئی۔ لیکن اردو میں ایم۔اے دلی یونی ورسٹی سے کیا۔ ان کی پہلی تحریر 1969ء میں 'ماہ نو' کراچی میں شائع ہوئی۔

ان کی تخلیقات میں 'لہر لہر ندیا گہری'، 'خشت دیوار'، 'دامن'، پرانی بات ہے'، 'انگلیاں فگار اپنی'، 'دھوپ کا سائبان' اور 'مسافت شب' ہے۔ ان کی کلیات 'پورے قد کا آئینہ' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ زبیر رضوی کی دوسری کتابیں 'غالب اور فنونِ لطیفہ' اور 'اردو فنون و ادب' ہیں۔

آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ رہے۔ اسی ملازمت سے اپریل 1993ء میں ڈائرکٹر کے عہدے سے سبک دوش ہوئے۔

زبیر رضوی کی نظمیں زندگی اور سماج کی بوقلمونی کو بیش از بیش پیش کرتی ہیں۔ ان کی نظمیں عام طور پر مختصر ہوتی ہیں لیکن ان میں جامعیت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔